عورت کو حق طلاق تفویض کرنا، شریعت میں تبدیلی ہے!

پہلی قسط

تحریر
مولانا حافظ صلاح الدین یوسف ...... مدیر شعبہ تحقیق وتالیف دارالسلام۔ لاہور

پاکستان میں حکومت کے مجوزہ نکاح فارم کی ایک شق میں یہ درج ہوتا ہے کہ خاوند نے بیوی کو طلاق کا حق تفویض کیا ہے یا نہیں؟...... اکثر لوگ تو اس شق کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اثبات یا نفی (ہاں یا نہیں) میں کچھ نہیں لکھتے۔ لیکن بعض لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ نکاح کے موقع پر تفویض طلاق کے اس حق کو تسلیم کیا جائے اور وہ اس شرط کو لکھواتے یعنی منواتے ہیں کہ عورت کو طلاق کا حق تفویض کر دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت جب چاہے اپنے خاوند کو طلاق دے سکتی ہے اور اس طرح کے واقعات اب پیش آنے لگے ہیں کہ ایسی عورتیں جن کو حق طلاق تفویض کیا گیا، انہوں نے اپنے خاوندوں کو طلاقیں دے دیں۔

علمائے احناف اور دیگر فقہاء تو اس تفویض طلاق کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ وہ فقہی جمود ہے جس میں وہ مبتلا ہیں، اس لیے عدمِ دلیل کے باوجود وہ اس بنا پر اس کے قائل ہیں کہ ان کے فقہاء نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ بنا بریں وہ عورت کے طلاق دینے کی وجہ سے میاں بیوی میں جدائی کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن بعض علمائے اہل حدیث بھی اس کے جواز کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ غالباً انہوں نے مسئلے کی گہرائی کا جائزہ نہیں لیا یا عورتوں کے حقوق، کے شور میں اس کی شاید ضرورت ہی محسوس نہیں کی، اس لیے وہ بھی جواز کے قائل ہو گئے!

راقم کے پاس بھی یہ استفسار آیا اور اس میں بعض علمائے اہل حدیث کی طرف سے اس کے اثبات کا حوالہ بھی دیا گیا۔ اس بنا پر ضرورت محسوس ہوئی کہ مسئلے کی نوعیت کو شرعی دلائل کی روشنی میں واضح اور منقح کیا جائے تاکہ ایک طرف مسلکِ تفویض کے حامل علمائے احناف کے دلائل کی بے ثباتی واضح ہو جائے اور جو علماء محض شبہات کی وجہ سے اس کے جواز کے قائل ہیں، وہ بھی اپنے مؤقف پر نظر ثانی کر کے صحیح دلائل پر مبنی مؤقف کو اختیار کر سکیں۔ بہر حال ہمارا مؤقف یہ ہے کہ عورت کو طلاق کا حق تفویض نہیں کیا جا سکتا اور اگر کسی نے اس کو یہ حق دے دیا اور عورت نے اسے استعمال کرتے ہوئے خاوند کو طلاق دے دی، تو یہ طلاق نہیں ہو گی۔ طلاق کا حق صرف مرد کو حاصل ہے، یہ حق اللہ تعالیٰ نے صرف اُسے ہی عطا کیا ہے اسے پوری اُمت مل کر بھی عورت کی طرف

منتقل کرنے کی مجاز نہیں ہے۔اس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

اسلام میں طلاق کا حق صرف مرد کو دیا گیا ہے، عورت کو نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں زود رنج، زود مشتعل اور جلد بازی میں جذباتی فیصلہ کرنے والی ہے، نیز عقل اور دور اندیشی میں کمزور ہے۔عورت کو بھی حق طلاق دیئے جانے کی صورت میں یہ اہم رشتہ جو خاندان کے استحکام و بقا اور اس کی حفاظت و صیانت کیلئے بڑا ضروری ہے، تارِ عنکبوت سے زیادہ پائیدار ثابت نہ ہوتا۔ علمائے نفسیات و طبیعیات بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔اس کی تفصیل راقم کی کتاب ''خواتین کے امتیازی مسائل'' مطبوعہ دارالسلام میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اگر عورت کو بھی طلاق کا حق مل جاتا تو وہ اپنا یہ حق نہایت جلد بازی یا جذبات میں آ کر استعمال کر لیا کرتی اور اپنے پیروں پر آپ کلہاڑا مار لیا کرتی۔ اس سے معاشرتی زندگی میں جو بگاڑ اور فساد پیدا ہوتا، اس کا تصور ہی نہایت روح فرسا ہے۔اس کا اندازہ آپ مغرب اور یورپ کی اُن معاشرتی رپورٹوں سے لگا سکتے ہیں جو وہاں عورتوں کو حق طلاق مل جانے کے بعد مرتب اور شائع ہوئی ہیں۔ان رپورٹوں کے مطالعے اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور عورت کی اس کمزوری کا اثبات ہوتا ہے جس کی بنا پر مرد کو تو حق طلاق دیا گیا ہے لیکن عورت کو یہ حق نہیں دیا گیا۔عورت کی جس زود رنجی، سریع الغضبی، ناشکرے پن اور جذباتی ہونے کا ہم ذکر کر رہے ہیں، احادیث سے بھی اس کا اثبات ہوتا ہے۔ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(وَرَأَيْتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ) قِيلَ أَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ؟ قَالَ: (يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَ يَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ) ''میں نے جہنم کا مشاہدہ کیا تو اس میں اکثریت عورتوں کی تھی (اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ ناشکری کا ارتکاب کرتی ہیں۔ پوچھا گیا: کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: (نہیں) وہ خاوند کی ناشکری اور احسان فراموشی کرتی ہیں۔اگر تم عمر بھر ایک عورت کے ساتھ احسان کرتے رہو، پھر وہ تمہاری طرف سے کوئی ایسی چیز دیکھ لے جو اسے ناگوار ہو تو وہ فوراً کہہ اُٹھے گی کہ میں نے تو تیرے ہاں کبھی بھلائی اور سکھ دیکھا ہی نہیں۔''

جب ایک عورت کی افتادِ طبع اور مزاج ہی ایسا ہے کہ وہ عمر بھر کے احسان کو مرد کی کسی ایک بات پر فراموش کر دیتی ہے تو اسے اگر حق طلاق مل جاتا تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس آسانی کے ساتھ وہ اپنا گھر اُجاڑ لیا کرتی؟ عورت کی اس کمزوری، کم عقلی اور زود رنجی ہی کی وجہ سے مرد کو اس کے مقابلے میں صبر و ضبط، تحمل اور قوتِ

برداشت سے کام لیتے ہوئے عورت کے ساتھ نباہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے، کیونکہ عورت کی یہ کمزوریاں فطری ہیں، کسی مرد کے اندر یہ طاقت نہیں کہ وہ قوت کے زور سے اُن کمزوریوں کو دُور کر کے عورت کو سیدھا کر دے یا سیدھا رکھ سکے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: (اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَ إِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَ إِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ) ''عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت مانو، عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے زیادہ کجی اُوپر کی پسلی میں ہوتی ہے، پس اگر تم اُسے سیدھا کرنے لگو گے تو اسے توڑ دو گے اور یوں ہی چھوڑ دو گے تو کجی باقی رہے گی پس عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت قبول کرو۔''

شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ عورت کے مزاج میں کجی (ٹیڑھا پن) ہے (جو ضد وغیرہ کی شکل میں بالعموم ظاہر ہوتی رہتی ہے)، پس اس کمزوری میں اسے معذور سمجھو کیونکہ یہ پیدائشی ہے، اسے صبر اور حوصلے سے برداشت کرو اور اُن کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کرو۔ اگر تم اُنہیں سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اُن سے فائدہ نہیں اُٹھا سکو گے جبکہ اُن کا وجود انسان کے سکون کیلئے ضروری ہے اور کشمکش حیات میں اُن کا تعاون ناگزیر ہے، اس لیے صبر کئے بغیر اُن سے فائدہ اٹھانا اور نباہ ناممکن ہے۔'' بہرحال عورت کی یہی وہ فطری کمزوری ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مرد کو تو حق طلاق دیا ہے لیکن عورت کو نہیں دیا۔ عورت کا مفاد ایک مرد سے وابستہ اور اس کی رفیقہ حیات بن کر رہنے ہی میں ہے، نہ کہ گھر اجاڑنے میں اور عورت کے اس مفاد کو عورت کے مقابلے میں مرد ہی صبر و ضبط اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کر کے زیادہ ملحوظ رکھتا اور رکھ سکتا ہے۔ بنابریں اسلام کا یہ قانونِ طلاق بھی دراصل عورت کے مفاد ہی میں ہے، گو عورت آج کل پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اس کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں عورت کیلئے حق خلع

تاہم اسلام چونکہ دین فطرت اور عدل و انصاف کا علمبردار ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دوسرے پہلو کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ کسی وقت عورت کو بھی مرد سے علیٰحدہ ہونے کی صورت پیش آ سکتی ہے، جیسے خاوند نامرد ہو، وہ عورت کے جنسی حقوق ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا وہ نان و نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا قادر تو ہو لیکن بیوی کو مہیا نہ کرتا ہو، یا بلاوجہ اس پر ظلم و ستم یا مار پیٹ سے کام لیتا ہو، یا عورت اپنے خاوند کو ناپسند کرتی اور محسوس کرتی ہو کہ وہ

اس کے ساتھ نباہ یا اس کے حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتی۔

ان صورتوں یا ان جیسی دیگر صورتوں میں عورت خاوند کو یہ پیشکش کرکے کہ تو نے مجھے جو مہر اور ہدیہ وغیرہ دیا ہے وہ میں تجھے واپس کر دیتی ہوں تو مجھے طلاق دے دے، اگر خاوند اس پر رضا مند ہو کر اُسے طلاق دے دے تو ٹھیک ہے لیکن اگر خاوند ایسا نہیں کرتا تو اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے اس قسم کی صورتوں میں خاوند سے گلو خلاصی حاصل کر لے، اس کو خلع کہتے ہیں۔ یہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے، اس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں، راقم کی کتاب ''خواتین کے امتیازی مسائل'' میں اس کے دلائل تفصیل سے مذکور ہیں۔ عورت کے اس حق خلع کی موجودگی میں اس بات کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ نکاح کے موقع پر مرد اپنا حق طلاق عورت کو تفویض کرے، کیونکہ اسلام نے عورت کیلئے بھی قانونِ خلع کی صورت میں مرد سے علیحدگی کا طریقہ بتلا دیا ہے اور عہدِ رسالت میں بعض عورتوں نے اپنا یہ حق استعمال بھی کیا ہے اور رسول ﷺ نے بحیثیت حاکم وقت خلع کا فیصلہ ناپسندیدہ خاوند سے علیحدگی کی صورت میں فرمایا ہے، جس کی تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے۔

علمائے احناف کا فقہی جمود اور خُلع کا انکار

لیکن بدقسمتی سے قرآن و حدیث کے مقابلے میں آراء کو زیادہ اہمیت دینے والے علماء فقہاء، اسلام کے اس قانونِ خلع کو تسلیم نہیں کرتے، اس لیے فقہ حنفی میں مذکور صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں عورت کیلئے مرد سے گلو خلاصی حاصل کرنے کا جواز نہیں ہے، اس کا اعتراف مولانا تقی عثمانی صاحب (دیوبندی) نے بھی کیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے ''الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة'' نامی کتاب اسی لیے تحریر فرمائی تھی کہ عورتوں کی مشکلات کا کوئی حل، جو کہ فقہ حنفی میں نہیں ہے، تلاش کیا جائے، چنانچہ اُنہوں نے کچھ فقہی جمود توڑتے ہوئے دوسری فقہوں کے بعض مسائل کو اختیار کرکے بعض حل پیش فرمائے اور دیگر علمائے احناف کی تصدیقات بھی حاصل کیں۔ اس کے باوجود علمائے احناف کا جمود برقرار ہے کہ جب تک خاوند کی رضامندی حاصل نہ ہو، عورت کیلئے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں۔ حالانکہ عورت کو حق خلع دیا ہی اس لیے گیا ہے کہ خاوند راضی ہو یا نہ ہو، عورت عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے اور عدالت کا فیصلہ طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا۔

فقہائے احناف کی شریعت سازی

شریعت کے دیئے ہوئے حق خلع کو تو فقہائے احناف نے تسلیم نہیں کیا جو ایک ناگزیر ضرورت ہے، البتہ اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے اپنی طرف سے یہ طریقہ تجویز کیا کہ عورت کو حق طلاق تفویض کر دیا جائے جو حکم الٰہی میں تبدیلی اور شریعت سازی کے مترادف ہے، حالانکہ عورت کو حق طلاق دینے میں جو شدید خطرات ہیں، وہ مسلمہ ہیں اور اُنہی کے پیش نظر اللہ عزوجل نے یہ حق عورت کو نہیں دیا۔ قابل غور امر یہ ہے کہ جو حق اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا، اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں دیا تو وہ اور کون سی اتھارٹی ہو سکتی ہے جو یہ حق عورتوں کو دے دے؟ یقیناً ایسی کوئی اتھارٹی نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے، اس لیے اس تفویض طلاق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر کوئی عورت انسانوں کے اپنے تفویض کردہ اس حق کو استعمال کرتے ہوئے اپنے خاوند کو طلاق دے دیتی ہے تو اس طرح قطعاً طلاق واقع نہیں ہوگی۔ نکاح ایک میثاقِ غلیظ، (نہایت مضبوط عہد) ہے جو حکم الٰہی کے تحت طے پاتا ہے، اسے خود ساختہ طریقے سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عہد اسی وقت ختم ہوگا جب اس کے ختم کرنے کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے گا جو خود اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے اور وہ طریقہ صرف اور صرف مرد کا طلاق دینا یا عورت کا خلع لینا ہے۔ اس کے علاوہ رشتہ نکاح کو ختم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

کون سی شرطیں قابل اعتبار یا نا قابل اعتبار ہیں؟

تفویض طلاق کے جواز میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ نکاح کے موقع پر جو شرطیں طے پائیں، ان کا پورا کرنا ضروری ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: (أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ) ''جن شرطوں کا پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے وہ وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعے سے تم شرم گاہیں حلال کرو۔'' یہ حدیث اپنی جگہ بالکل صحیح ہے لیکن اس سے مراد وہ شرطیں ہیں جن سے مقاصدِ نکاح کو مزید مؤکد کرنا مقصود ہو، جیسے خود امام بخاریؒ نے اُس کو مہر کی ادائیگی کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ اس طرح کسی مرد سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ نان نفقہ میں کوتاہی کرے گا یا شاید حسن سلوک کے تقاضے پورے نہیں کرے گا، یا رشتے داروں سے میل ملاپ میں ناجائز تنگ کرے گا وغیرہ، تو نکاح کے موقع پر اس قسم کی شرطیں طے کر لی جائیں تو اُن کا پورا کرنا مرد کیلئے ضروری ہوگا۔ یہ حدیث اسی قسم کی شرطوں تک محدود رہے گی۔

اس کے برعکس اگر خاوند یہ شرط عائد کرے کہ وہ بیوی کے نان نفقہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا، شادی کے بعد وہ

ماں باپ یا بہن بھائیوں سے ملنے کی اجازت نہیں دے گا، یا میں اس کو پردہ نہیں کرنے دوں گا، وعلیٰ ہذا القیاس اس قسم کی ناجائز شرطیں، تو وہ کالعدم ہوں گی، یا عورت یہ شرط عائد کرے کہ وہ خاوند کو ہم بستری نہیں کرنے دے گی تا کہ بچے پیدا نہ ہوں، یا خاوند کو دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، یا مردوں کے ساتھ مخلوط ملازمت سے وہ نہیں روکے گا وغیرہ وغیرہ۔ تو ان شرطوں کا بھی اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ یہ ناجائز شرطیں ہیں یا مقاصدِ نکاح کے منافی ہیں۔ اسی لیے امام بخاریؒ نے نبی ﷺ کے اس فرمان کو کہ ''عورت اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تا کہ وہ اس کا برتن اُلٹائے۔ یعنی سہولیاتِ زندگی سے محروم کردے جو خاوند کے ہاں اس کو میسر ہیں۔'' کو عنوان ''ان شرطوں کا بیان جو نکاح میں جائز نہیں۔'' میں ذکر کیا ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شریعت کے عطا کردہ کسی حق کو ختم کرنے کی شرط عائد کی جائے گی تو اُس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ بلکہ اس قسم کی شرطوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا ہے: (وَالْمُسلِمُوْنَ علی شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلالاً أَوْاَحَلَّ حَرَامًا) ''مسلمانوں کیلئے اپنی طے کردہ شرطوں کی پابندی ضروری ہے، سوائے اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کردے (ایسی شرطیں کالعدم ہوں گی)۔''

نکاح کے موقع پر تفویض طلاق کی شرط بھی شرطِ باطل ہے جس سے مَرد کا وہ حق جو اللہ تعالیٰ نے صرف مَرد کو دیا ہے، وہ اس سے ختم ہو کر عورت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مرد کے اس حق شرعی کا عورت کی طرف انتقال، حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینے ہی کے مترادف ہے جس کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ اس شرط سے عورت کو طلاق دینے کا حق قطعاً حاصل نہیں ہوسکتا، اُس کو اس قسم کے حالات سے سابقہ پیش آئے تو وہ، شرط کے باوجود طلاق دینے کی مجاز نہیں ہوگی بلکہ طلاق لینے، یعنی خلع کرنے ہی کی پابند ہوگی۔

عہدِ رسالت کا ایک واقعہ اور فیصلہ کن فرمانِ رسول ﷺ

اس مسئلے میں نبی ﷺ کے زمانے کا ایک واقعہ ہماری بڑی رہنمائی کرتا ہے۔ بریرہ ایک لونڈی تھی اور مُکاتبَہ تھی، یعنی مالکوں کے ساتھ اس کا معاہدہ ہو چکا تھا کہ اتنی رقم تو ادا کردے گی تو ہماری طرف سے آزاد ہے۔ بریرہؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اُمّ المومنین! آپ مجھے خرید کر آزاد کر دیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ٹھیک ہے بریرہؓ نے کہا: لیکن میرے آقا کہتے ہیں کہ ''حق وَلاء'' ان کا ہوگا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا مجھے حق ولاء کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ یہ بات نبی ﷺ نے سن لی یا آپ تک پہنچ گئی تو

آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: (اِشْتَرِیهَا فَأَعْتِقِیهَا وَ دَعِیهِمْ یَشْتَرِطُوا مَا شَاؤُا) ''اُس کو خرید کر آزاد کردے اور مالکوں کو چھوڑ، وہ جو چاہیں شرط کرلیں۔''

چنانچہ حضرت عائشہؓ نے حضرت بریرہؓ کو قیمت ادا کر کے آزاد کردیا اور اس کے مالکوں نے ولاء کی شرط کرلی کہ وہ ہمارا حق ہوگا۔ لیکن نبی ﷺ نے فرمایا: (اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَ إِنِ اشْتَرَطُوا مِائَةَ شَرْطٍ) ''حق ولاء آزاد کرنے والے کا ہے، چاہے مالک سو شرطیں لگا لیں۔'' ایک اور مقام پر آپؐ کا یہ فرمان بایں الفاظ منقول ہے: (مَا بَالُ رِجَالٍ یَّشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَیْسَتْ فِی کِتَابِ اللّٰهِ؟ مَا کَانَ مِنْ شَرْطٍ لَیْسَ فِی کِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَ اِنْ کَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللّٰهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ أَوْثَقُ وَ اِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ) ''لوگوں کا کیا حال ہے، وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں؟ (یاد رکھو) جو شرط ایسی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ہے، وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ زیادہ حق دار ہے (کہ اس کو مانا جائے) اور اللہ تعالیٰ کی شرط زیادہ مضبوط ہے (کہ اس کی پاسداری کی جائے) ولاء اسی کا حق ہے جس نے اسے آزاد کیا۔''

اس حدیث میں آپؐ نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ جو شرط بھی کتاب اللہ میں نہیں ہے، یعنی شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات کے خلاف ہے وہ باطل ہے اور باطل کا مطلب کالعدم ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تبارک تعالیٰ نے احکامِ وراثت بیان فرما کران کی بابت کہا کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں اور اس کے بعد فرمایا: ﴿وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا﴾ ''جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے مقررہ حصہ ہائے وراثت میں تبدیلی کرنا، اللہ کی حدوں سے تجاوز اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے جس کی کسی کو اجازت نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے طلاق اور خلع کے احکام بیان کر کے فرمایا: ﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''یہ اللہ کی حدیں ہیں، سو تم اُن سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ لوگ ظالم ہیں۔'' اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ طلاق و خلع کے احکام، حدود اللہ کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں تبدیلی کرنا، یعنی عورت کو حق خلع کے بجائے جو کہ اسے اللہ نے دیا ہے، طلاق کا حق تفویض کر دینا، حدود اللہ میں تجاوز کرنا ہے جس کا حق کسی کو حاصل نہیں، یہ سراسر ظلم ہے جو

اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ چنانچہ آیت مذکورہ: ﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ کے تحت مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم نے لکھا ہے اور کیا خوب لکھا ہے: ''یہ تاکید ہے اس امر کی احکامِ شرعی میں کسی خفیف جزئیہ کو بھی ناقابل التفات نہ سمجھا جائے اور شریعت جیسے بے انتہا منظم فن میں ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ مشین جتنی نازک اور اعلیٰ صنّاعی کا نمونہ ہوگی، اسی قدر اس کا ایک ایک تنہا پرزہ بھی اپنی جگہ پر بے بدل ہوگا۔''

بنابریں عورت کو طلاق کا حق تفویض کرنا، امر باطل ہے۔ اس سے حکم شریعت میں تبدیلی لازم آتی ہے، مرد کا جو حق ہے وہ عورت کو مل جاتا ہے اور عورت جو مرد کی محکوم ہے، وہ حاکم (قوام) بن جاتی ہے اور مرد اپنی قوّامیت کو (جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے) چھوڑ کر محکومیت کے درجے میں آجاتا ہے، یا بالفاظِ دیگر عورت طلاق کی مالک بن کر مرد بن جاتی ہے اور مرد عورت بن جاتا ہے کہ بیوی اگر اسے طلاق دے دے تو وہ سوائے اپنی بے بسی اور بے چارگی پہ رونے کے کچھ نہیں کرسکتا۔ ﴿تِلْکَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾

چند شبہات و اشکالات کا ازالہ

پہلا اشکال اور اس کی وضاحت

بعض علماء آیتِ تخییر سے تفویض طلاق کا جواز ثابت کرتے ہیں، حالانکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

آیتِ تخییر سے مراد وہ واقعہ ہے جو نبی ﷺ اور ازواجِ مطہراتؓ کے درمیان پیش آیا کہ جب فتوحات کے نتیجے میں مالِ غنیمت کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشی حالت قدرے بہتر ہوئی تو ازواجِ مطہراتؓ نے بھی اپنے نان و نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کردیا جو نبی ﷺ کو پسند نہ آیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ ''اے پیغمبر ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیا اور اس کی زینت کی طالب ہو، تو آؤ میں تمہیں کچھ متعہ (فائدہ) دے کر تمہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دیتا ہوں، یعنی طلاق دے دیتا ہوں۔'' جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سمیت تمام ازواجِ مطہراتؓ کو اختیار دے دیا کہ تم دنیا چاہتی ہو یا آخرت؟ اگر دنیا کی آسائشیں مطلوب ہیں تو میں تمہیں طلاق اور کچھ متعہ طلاق دے کر آزاد کردیتا ہوں لیکن سب نے دنیا کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد ہی میں رہنے کو پسند کیا۔

یہ ''آیتِ تخییر'' کہلاتی ہے۔ اس سے تفویض طلاق کا اثبات نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تو اُن کے

مطالبات کے جواب میں اُنہیں یہ اختیار دیا گیا کہ اگر تمہیں اپنے مطالبات پورے کرانے پر اصرار ہے تو میں زبردستی تمہیں اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور نہیں کرتا، میں تمہیں طلاق دے دیتا ہوں، قرآن کے الفاظ واضح ہیں: ﴿فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلاً﴾ ''آؤ میں تمہیں متعہ طلاق اور طلاق دے کر چھوڑ دیتا ہوں۔'' جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر وہ نبی ﷺ کے ساتھ رہنے کے بجائے دنیا کی آسائشیں پسند کرتیں تو آپ ان کو طلاق دے کر اپنے سے جدا کر دیتے...... از خود ان کو طلاق نہ ہوتی۔

اس سے مستقل طور پر عورت کو طلاق کا حق تفویض کرنے کا اثبات ہرگز نہیں ہوتا۔ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت اگر کچھ ایسے مطالبات پیش کرے جس کو خاوند پورا نہ کر سکتا ہو تو وہ بیوی سے یہ کہے کہ میں یہ مطالبات پورے نہیں کر سکتا، اگر تو انہی حالات کے ساتھ گزارا کر سکتی ہے تو ٹھیک ہے، بصورتِ دیگر میں طلاق دے کر اچھے طریقے سے تجھے فارغ کر دیتا ہوں۔ اگر عورت دوسری (طلاق کی) صورت اختیار کرتی ہے تو اسے طلاق نہیں ہو جائے گی بلکہ خاوند اس کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے طلاق دے تبھی طلاق، یعنی علیحدگی ہوگی۔ غرض اس صورت کا تفویض طلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے اس آیت سے استدلال یکسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

دوسرا شبہ

اس سے ملتی جلتی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ جھگڑے کے موقع پر خاوند عورت کو یہ کہہ دے: (أَمْرُكِ بِيَدِكِ) ''تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے'' اس سے بھی بعض لوگوں نے تفویض طلاق کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ یہ طلاق کنائی کی ایک صورت بنتی ہے اور اکثر فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں لیکن یہ تفویض نہیں بلکہ طلاق ہے۔

نیز اوّل تو یہ الفاظ نہ مرفوعاً ہیں اور نہ موقوفاً، یعنی یہ نہ حدیثِ رسولؐ ہے اور نہ کسی صحابیؓ کا قول...... یہ الفاظ جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں منقول ہیں۔ ان سب کی سندیں ضعیف ہیں تاہم اسے حسن بصریؒ کا قول قرار دیا گیا ہے۔ (اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

البتہ بعض صحابہؓ کے ان الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ سے بھی استدلال کیا گیا ہے، مثلاً: المعجم الکبیر للطبرانی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے: (اذا قال الرجل لامْرَأته: أمرکِ بیدکِ أو استفلحيى بأمرک أووهبها لأهلها فقبلوها فهي واحدة بائنة. ''اگر آدمی اپنی بیوی سے کہے، تیرا اختیار تیرے

ہاتھ میں ہے یا تم اپنے معاملے میں کامیاب ہو جاؤ، یا وہ اس حق کو اس بیوی کے گھر والوں کے حوالے کر دے، پھر وہ اسے قبول کر لیں تو یہ ایک (طلاق) بائن (نکاح کو ختم کر دینے والی) ہے۔''

اس اثر میں غور کریں، کیا اس کا تعلق زیر بحث تفویض طلاق سے ہے؟ قطعاً نہیں۔ اس میں بھی وہی خیارِ طلاق (طلاقِ کنائی) یا توکیل کی صورت ہے کہ اختلاف اور جھگڑے کی صورت میں خاوند بیوی کو اختیار دے دے کہ اگر تو میرے پاس رہنے کیلئے تیار نہیں ہے تو تجھے اختیار ہے کہ تو خود میرے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ کر لے۔ اگر وہ علیحدگی کا فیصلہ کر لیتی ہے تو مذکورہ اثر کی بنیاد پر اسے طلاق ہو جائے گی اور بقول عبداللہ بن مسعودؓ یہ ایک طلاق بائن ہوگی۔ یہ خیارِ طلاق سے ملتی جلتی وہی صورت ہے جس کی تفصیل آیتِ تخییر کے ضمن میں گزری ہے یا یہ طلاق بالکنایہ ہے کیونکہ یہ طلاق کون سی ہوگی؟ یہ خاوند کی نیت پر منحصر ہے جیسا کہ آگے تفصیل آ رہی ہے۔

دوسری صورت اس میں توکیل کی ہے یعنی بیوی کے گھر والوں کو طلاق دینے کا حق دے دے اور وہ طلاق دے دیں، تو طلاق بائن ہو جائے گی۔ وکالت کو بھی شریعت نے تسلیم کیا ہے، یعنی خاوند خود طلاق نہ دے بلکہ وکیل کے سپرد یہ کام کر دے، تو وہ طلاق خاوند ہی کی طرف سے تسلیم کی جائے گی۔ مذکورہ اثر میں یہی دو صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک صورت خیارِ طلاق کی سی ہے بلکہ یہ طلاق بالکنایہ ہے اور دوسری توکیل طلاق کی۔ اس اثر سے زیر بحث تفویض طلاق کا اثبات ہرگز نہیں ہوتا۔

دوسرا اثر، جس سے استدلال کیا گیا ہے، حسب ذیل ہے: ''سیدنا عثمانؓ کے پاس وفد میں ابوالحلال العتکیؒ آئے، تو کہا: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اس کا اختیار دے دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: (فأمرها بيدها) ''پس اس عورت کا اختیار اس کے پاس ہی ہے۔'' اس میں بھی وہی خیارِ طلاق بلکہ بالکنایہ کا اثبات ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں، یعنی لڑائی جھگڑے کی صورت میں عورت کو علیحدگی کا اختیار کنائے کی صورت میں دے دینا، اس اثر کا بھی تفویض طلاق کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تیسرا اثر، جس سے استدلال کیا گیا ہے، حسب ذیل ہے: ''سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو اس کا اختیار دے دیا تو انہوں نے فرمایا: (القضاء ماقضت فان تناكرا احلف) ''وہ عورت جو فیصلہ کرے گی وہی فیصلہ ہے، پھر اگر وہ دونوں ایک دوسرے کا انکار کریں تو مرد کو قسم دی جائے گی۔'' یہ اثر نقل کر کے فاضل مفتی حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''یہاں پر چونکہ یہ اختیار نکاح نامے پر شوہر کے دستخطوں اور گواہوں کے ساتھ لکھا ہوا ہے، لہٰذا یہاں کسی قسم کے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' لیکن

اس اثر میں بھی پہلے قابل غور بات تو یہ ہے کہ اس میں بھی طلاق بالکنایہ والا مسئلہ ہی بیان ہوا ہے یا تفویض طلاق کا؟ واقعے پر غور فرما لیا جائے، اس میں بھی طلاق کنائی یا خیارِ طلاق ہی کا مسئلہ بیان ہوا ہے جس کا شادی کے بعد ہونے والے میاں بیوی کے درمیان شدید جھگڑے سے ہے کہ اگر اختلافات کا کوئی حل نہ نکلے تو خاوند اس کا یہی حل پیش کرے کہ تجھے اختیار ہے میرے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا۔ اس صورت میں ظاہر بات ہے کہ عورت جو فیصلہ کرے گی وہی نافذ ہوگا۔ علیحدگی پسند کرے گی تو طلاق ہو جائے گی، بصورت دیگر نہیں۔ لیکن اس طلاق میں بھی فیصلہ کن بات خاوند کی نیت ہی ہے کہ طلاق رجعی ہے یا بائن؟

اس اثر سے بھی رشتہ ازدواج میں جڑنے سے پہلے ہی نکاح کے موقع پر مرد کا اپنے اس حق طلاق سے دست بردار ہو کر، جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے، عورت کو اس کا مالک بنا دینا، کس طرح ثابت ہوتا ہے؟ میاں بیوی کے درمیان عدمِ موافقت کی صورت میں ان کے اختلافات دور کرنے کے کئی طریقے ثابت ہیں۔ ایک یہ ہے جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ ایک ثالث (حَکَم) بیوی کی طرف سے اور ایک خاوند کی طرف سے مقرر کیے جائیں، وہ دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ کریں اور دونوں کی کوتاہیوں کو معلوم کر کے ان کو دور کرنے کی تلقین دونوں کو کریں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ بطورِ وکالت ان کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کر دیں۔ اس کو ''توکیل بالفرقہ'' کہا جاتا ہے، یہ وکالت کی وہ صورت ہے جو جائز ہے۔

دوسری صورت خیارِ طلاق کی ہے جو نبی ﷺ نے اختیار فرمائی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر ازواجِ مطہرات علیحدگی کو پسند کرتیں تو آپ ﷺ ان کو طلاق دے کر فارغ کر دیتے۔

تیسری صورت جو بعض آثارِ صحابہؓ سے ثابت ہے کہ خاوند علیحدگی کا معاملہ عورت کے سپرد کر دے: (اَمْرُکِ بِیَدِکِ) ''تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں'' مذکورہ سارے آثار کا تعلق اسی صورت سے ہے۔ اس جملے کی بابت فقہا کہتے ہیں اور مذکورہ آثارِ صحابہؓ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اگر عورت علیحدگی اختیار نہیں کرتی اور خاوند ہی کے پاس رہنے کو اختیار کرتی ہے تو طلاق نہیں ہوگی اور اگر وہ علیحدگی کا فیصلہ کرتی ہے تو یہ طلاق شمار ہوگی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ طلاق ایک ہوگی یا تین طلاقیں۔ ایک طلاق ہونے کی صورت میں رجعی ہوگی یا بائنہ؟ بعض آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاوند کی نیت کے مطابق فیصلہ ہوگا، اگر اس سے مراد اس کی ایک طلاقِ رجعی ہے تو یہ ایک طلاقِ رجعی شمار ہوگی اور خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اس میں خاوند کی نیت کے فیصلہ کن ہونے نے اس کو طلاق بالکنایہ بنا دیا ہے اور یوں یہ خیارِ طلاق سے مختلف صورت ہے

کیونکہ اسے اگر خیارِ طلاق کی وہی صورت قرار دیں جو نبی ﷺ نے ازواجِ مطہراتؓ کے سلسلے میں اختیار فرمایا تھا تو اس میں بھی طلاق کا حق مرد ہی کو حاصل تھا، اور (أمرُکِ بِیدِکِ) میں یہ اختیار عورت کو دے دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ طلاقِ کنائی بنے گی اس لیے کہ یہ طلاق، طلاقِ رجعی ہوگی یا بائنہ؟ اس کا فیصلہ خاوند کی نیت کے مطابق ہوگا۔

حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس محمد بن عتیق نامی ایک شخص آیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت زیدؓ نے پوچھا: کیا بات ہے، روتے کیوں ہو؟ اُس نے کہا: میں نے اپنی عورت کو اس کے معاملے کا مالک بنا دیا تھا تو اُس نے مجھ سے جدائی اختیار کر لی ہے۔ حضرت زیدؓ نے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگا: بس اسے تقدیر ہی سمجھ لیں۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا: اگر تو رجوع کرنا چاہتا ہے تو رجوع کر لے، یہ ایک ہی طلاق ہے اور تو، رجوع کرنے کا اس عورت سے زیادہ اختیار رکھتا ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا ایک دوسرا قول یہ نقل ہوا ہے اور اسے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا بھی قول بتلایا گیا ہے کہ (القضاء ما قضت) ''عورت جو فیصلہ کرے گی وہی فیصلہ ہوگا'' یعنی اس کے کہنے کے مطابق اسے طلاقِ رجعی یا بائنہ، ایک یا تین شمار کیا جائے گا کیونکہ معاملہ اس کے سپرد کر دیا گیا تھا اور ایک تیسری رائے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر عورت اسے تین طلاق شمار کرے اور خاوند کہے کہ عورت کو طلاق کا مالک بناتے وقت میری نیت ایک طلاق کی تھی، تین طلاق کا انکار کرے جس کا فیصلہ عورت نے کیا تھا، تو خاوند سے قسم لی جائے گی اور پھر اسے ایک ہی طلاق شمار کر کے خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق دیا جائے گا۔

ان آثار سے قدرے اختلاف کے باوجود یہ واضح لڑائی جھگڑے کی صورت میں عورت کو علیحدگی کا اختیار دینا، زیرِ بحث تفویض طلاق سے یکسر مختلف معاملہ ہے جس کا جواز، ان آثار سے کشید کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ (أمرُکِ بِیدِکِ) کی صورت یا تو، توکیل کی بنتی ہے کہ مرد کسی اور کو وکیل بنانے کے بجائے عورت ہی کو وکیل بنا دیتا ہے یا یہ کنائی صورت ہے کیونکہ اس میں فیصلہ کن رائے خاوند ہی کی ہوگی کہ اگر عورت نے علیحدگی پسند کر لی ہے تو یہ کون سی طلاق شمار ہوگی، رجعی یا بائنہ، ایک یا تین؟ ایک رجعی شمار کرنے کی صورت میں خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اس سے زیرِ بحث تفویض طلاق کا اثبات کرنے والوں سے ہمارے چند سوال ہیں:

۱۔ تفویض طلاق والی عورت اگر خاوند کو طلاق دے دیتی ہے تو کیا اس میں خاوند کی نیت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

۲۔ اگر خاوند کہے کہ میری مراد اس تفویض طلاق سے ایک طلاقِ رجعی تھی، تو کیا خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا؟

۳۔ اور اگر رجوع کا حق حاصل ہوگا تو پھر تفویض طلاق کی شق ہی بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ جو عورت بھی اس حق کو استعمال کرتے ہوئے خاوند کو طلاق دے گی تو خاوند رجوع کرلیا کرے گا۔

۴۔ اگر تفویض طلاق میں طلاقِ بائنہ ہوگی تو پھر یہ صورت (أَمْرُکِ بِیَدِکِ) میں کس طرح آسکتی ہے جس کو اس کے جواز میں دلیل کے طور پر پیش کیا جارہا ہے؟ جبکہ (أَمْرُکِ بِیَدِکِ) کی صورت میں طلاق بائنہ نہیں ہوگی جیسا کہ آثار سے واضح ہے۔

تیسرا اشکال: توکیل (وکیل بنانے) کی اجازت

ایک تیسری اصطلاح ''توکیل'' ہے، یعنی ایک جائز کام کو خود کرنے کے بجائے کسی دوسرے شخص سے کرایا جائے۔ شریعت نے اس کو جائز رکھا ہے، اس کو نیابت بھی کہا جاتا ہے۔ طلاق دینا بھی (ناگزیر حالات میں) جائز ہے اور یہ صرف خاوند کا حق ہے، تاہم خاوند اپنا یہ حقِ طلاق وکیل کے ذریعے سے استعمال کرے تو دوسرے معاملات کی طرح یہ توکیل بھی جائز ہے۔ قرآن کریم کی آیت: ﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ ''میں جمہور علما کے نزدیک حَکَمَیْن کے ''توکیل بالفرقہ'' ہی کے اختیار کا بیان ہے۔ اسی توکیل میں وہ خاص صورت بھی شامل ہے جو پنچایتی توکیل کی ضرورت پیدا کر دیتی ہے، مثلاً: ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتا حتیٰ کہ بیوی بار بار اپنے میکے آجاتی ہے اور خاوند بار بار حسن سلوک کا وعدہ کر کے لے جاتا ہے لیکن وعدے کے مطابق حسن سلوک نہیں کرتا، بالآخر لڑکی کے والدین تنگ آکر اس سے وعدہ لیں کہ اس دفعہ عہد کی پاسداری نہ کی تو ہم آئندہ اس کو تمہارے پاس نہیں بھیجیں گے خاوند سے پنچایت میں یہ اقرار لیا جائے۔ اس صورت میں یہ پنچایت ''توکیل بالفرقہ'' کا کردار ادا کر کے دونوں کے درمیان جدائی کروا دے۔

☜ پنچایت یا عدالت کا یہ فیصلہ طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا، جیسے خلع میں عدالت کا فیصلہ فسخ نکاح سمجھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی عورت کے اقرباء خاوند سے تفویض طلاق کا مطالبہ نہیں کر سکتے کہ تم بیوی کو حق طلاق تفویض کرو، یعنی معاہدہ حسن سلوک کی پاسداری نہیں کی گئی تو بیوی حق طلاق استعمال کرے گی

بلکہ خلع کی طرح پنچایت یا عدالت ہی علیحدگی کا فیصلہ کرے گی۔

خلع اور اس توکیل میں فرق یہ ہے کہ خلع میں حق مہر واپس لینے کا حق خاوند کو حاصل ہے جب کہ پنچایتی فیصلے میں خاوند کو یہ حق نہیں ہوگا کیونکہ یہ جدائی خاوند کے اقرار یا وعدے کی بنیاد پر ہوگی۔ دوسرے، توکیل کی وجہ سے یہ جدائی طلاق کے قائم مقام ہوگی۔

چوتھی نوعیت: تفویض طلاق؟

چوتھی اصطلاح، تفویض طلاق ہے جس کی اجازت فقہائے احناف اور دیگر بعض فقہا دیتے ہیں لیکن شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزری۔ کیونکہ بیوی کو حق طلاق تفویض کرنے میں ان تمام حکمتوں کی نفی ہے جو حق طلاق کو صرف مرد کے ساتھ خاص کرنے میں مضمر ہے، اس اعتبار سے عورت کو کسی بھی مرحلے میں حق طلاق تفویض نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ابتدا میں عقدِ نکاح کے وقت اور نہ بعد میں عدمِ موافقت کی صورت میں۔ عدم موافقت کی کسی صورت میں چار صورتیں جائز ہوں گی جن کی تفصیل گزری۔ ہم خلاصے کے طور پر اسے دوبارہ مختصراً عرض کرتے ہیں:

۱۔ تخییر: نبی ﷺ کی طرح خاوند کی طرف سے عورت کو اختیار دیا جاسکتا ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہے یا نہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہو تو خاوند اس کو طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کردے، جیسا کہ ﴿أُمَتِّعْكُنَّ وَ أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلاً﴾ سے واضح ہے، یعنی طلاق دے کر علیحدگی کا کام مرد ہی کی طرف سے ہوگا۔

۲۔ توکیل: یا پھر ''حَکَمین'' دو ثالثوں کے ذریعے سے توکیل کا اہتمام کیا جائے گا۔ ایک ثالث خاوند اور ایک بیوی کی طرف سے ہوگا۔ وہ دونوں میاں بیوی کی باتیں آمنے سامنے یا الگ الگ (جو بھی صورت مناسب اور مفید ہوگی) سنیں گے اور اس کی روشنی میں صلح و مفاہمت کی مخلصانہ کوشش کریں گے لیکن اگر یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی تو پھر وہ ان دونوں کے درمیان جدائی کا فیصلہ کردیں گے۔ یہ فیصلہ بھی طلاق کے قائم مقام ہوگا۔

۳۔ یا (أَمْرُكِ بِيَدِكِ) کہہ کر خاوند عورت کو علیحدگی کا حق دے دے۔ یہ بھی اختلافات ختم کرنے کی ایک صورت ہے جو آثارِ صحابہؓ سے ثابت ہے اور یہ طلاقِ کنائی کی ایک شکل ہے۔

۴۔ یا خلع یا پنچایت کے ذریعے سے علیحدگی عمل میں لائی جائے گی۔ خلع کی صورت میں عورت کو حق مہر

وغیرہ واپس کرنا پڑے گا۔

ان چار طریقوں کے علاوہ کوئی چوتھا طریقہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوگا۔ اور یہ تفویض طلاق پانچواں طریقہ ہے جو فقہاء کا ایجاد کردہ ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل ہے، نہ صحابہؓ وتابعینؒ کا کوئی اثر اس کی تائید میں ہے۔

ایک اور عجیب جسارت یا حیلہ سازی

احناف شریعت کے دیئے ہوئے اس حق خلع کو نہیں مانتے جو عورت کو مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں دیا گیا ہے، جبکہ عورت کو اس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ اس لیے احناف نے اس کا متبادل حل ایک تو تفویض طلاق کی صورت میں ایجاد کیا جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ کی، اس کا ایک اور حل فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے جو عجیب بھی ہے اور اسلامی تعلیمات کے مقابلے میں شوخ چشمانہ جسارت بھی اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کا خاوند نہ چھوڑتا ہو، اور وہ اس کے ہاتھ سے تنگ ہو تو وہ خاوند کے بیٹے سے زنا کروالے، تاکہ وہ خاوند پر حرام ہو جائے کیونکہ فقہ حنفی میں حرام کاری سے بھی رشتہ مصاہرت قائم ہو جاتا ہے۔ اس حیلے کی بھی ضرورت اسی لیے پیش آئی کہ قرآن وحدیث میں بیان کردہ حق خلع علمائے احناف کو تسلیم نہیں ورنہ اس قسم کی صورتوں میں عورت عدالت سے خلع کے ذریعے سے ناپسندیدہ یا ظالم شوہر سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ (هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ)

ہمارے نزدیک یہ حیلہ بھی بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ حرام کام کرنے سے کوئی حلال حرام نہیں ہو سکتا۔ میاں بیوی کا تعلق حلال ہے۔ بیوی اگر خاوند کے بیٹے سے اپنا منہ کالا کروائے گی تو زنا کاری جیسے جرم کبیرہ کی مرتکب ہوگی لیکن اس سے وہ اپنے میاں کیلئے حرام نہیں ہوگی، حدیث رسول ﷺ ہے: (لَا يُحَرِّمُ الحرامُ الحلالَ) ''حرام کام حلال کو حرام نہیں کرے گا۔'' اس لیے اَسلم واَحوط راستہ عورت کیلئے حق خلع کا تسلیم کرنا ہے اس حق شرعی کو ماننے کے بعد نہ تفویض طلاق کے بکھیڑوں میں پڑنے کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ اپنے سوتیلے بیٹے سے منہ کالا کرانے کی۔ اس کے بغیر ہی عورت خاوند سے نجات حاصل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے شریعت نے جب کئی معقول طریقے تجویز کئے ہوئے ہیں تو ان کو چھوڑ کر اپنی خودساختہ غیر معقول تجاویز پر اصرار کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ و ما علینا الا البلاغ المبین.